پروفیسر ڈاکٹر ذوالفقار علی ملک*

پاکستان کے نظام تعلیم کی اسلام سے ہم آہنگی : چند تجاویز

اسلام محض عبادات کا نام نہیں بلکہ یہ ایک عظیم تہذیبی ، تمدنی اور علمی تحریک ہے - آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو نبوت کی جو ذمہ داریاں سونپی گئی ہیں ان میں تلاوت کتاب، تعلیم کتاب و حکمت، تبیین احکام و آیات اور تزکیہ نفوس کو ایک مرکزی مقام حاصل ہے - آپ صلی اللہ علیہ وسلم انسانیت کے سب سے بڑے معلم یعنی (Educator) ہیں اور اس سلسلے میں آپ نے جو کچھ کیا اس کی مثال تاریخ انسانیت میں نہیں ملتی -

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم ہجرت کر کے مدینہ منورہ میں پہنچے تو یہاں پہلی منظم اقامتی درس گاہ قائم فرمائی - صفہ نامی چبوترہ پہلا مدرسہ تھا ، اصحاب صفہ اس کے متعلم اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اس کے معلم - یہاں دینی اور دنیاوی تمام علوم کی تدریس کا انتظام تھا - صفہ کی اس درس گاہ نے اسلامی قلمرو میں تعلیم کی نہج قائم کر دی - انہی خطوط پر بعد میں ارتقاء ہوا ، مساجد تعلیم کا مرکز بن گئیں - یہ نظام پہلی چار صدیوں تک رائج رہا - پانچویں صدی کے اوائل میں اگرچہ مساجد کے علاوہ باقاعدہ مدارس بھی قائم ہو گئے لیکن علم کو ایک کلی وحدت کے طور پر ہی پڑھایا جاتا رہا اور اسے دینی اور دنیاوی الگ کیمپوں میں تقسیم کرنے کا کبھی خیال تک بھی پیدا نہ ہوا -

اسلام ان تمام علوم کو سیکھنا لازم قرار دیتا ہے جن کے ذریعے انسان (رموز فطرت) اور اسرار کائنات سے آگاہ ہو کر اللہ تعالیٰ تک پہنچ سکتا ہو ، چنانچہ علماء دینی علوم کے ساتھ ساتھ سائنسی علوم اور فلسفہ میں بھی مہارت تامہ رکھتے تھے - (امام جعفر صادق) جہاں فقہ ، حدیث اور تفسیر کے جید عالم تھے وہاں (علم کیمیا) سے بھی گہری دلچسپی رکھتے تھے - ابن سینا اور رازی صرف فلسفہ کے ہی امام نہ تھے، دینی علوم میں بھی اپنا ثانی نہ رکھتے ، تھے اسلام کے دور عروج تک جملہ مراکز میں ایک طرف تو (قال اللہ) و (قال الرسول) کی صدائیں بلند ہوتی تھیں تو دوسری طرف فلسفہ، حکمت ، طب و جراحت اور سائنس کو موضوع بحث

---

*پرو وائس چانسلر ، پنجاب یونیورسٹی ، لاہور

بنایا جاتا تھا ، جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ مسلمانوں نے پانچویں اور چھٹی صدی ہجری میں یونانی تصورات کو تخلیقی قوت کے ساتھ قبول کیا اور اس دور میں مسلمان فضلاء نے سائنس کے میدان میں جو تحقیقات کیں، عرصہٗ دراز تک یورپ اُن سے استفادہ کرتا رہا اور ان کی تصانیف نصابی کتب کے طور پر ان کے ہاں پڑھائی جاتی رہیں ۔ لہذا یہ کہنا بے جا نہیں ہوگا کہ یورپ میں احیائے علوم کی تحریک مسلمان علماء اور حکماء کی ان تصانیف کا ہی نتیجہ تھی ۔

یورپ میں نشأة ثانیہ کے بعد جب سائنسی انقلاب آیا تو بدقسمتی سے مسلمان سیاسی اور علمی زوال کا شکار ہو چکے تھے اور تہذیبی مغلوبیت ان کا مقدر بن چکی تھی اس لیے وہ جدید سائنسی تصورات کو قبول کرنے میں اپنی روایتی تخلیقی قوتوں سے کام لینے کے قابل نہ تھے ۔ چنانچہ علم ان کے ہاں دو کیمپوں میں تقسیم ہوگیا ۔ سائنسی علوم اور دینی علوم ۔ مسلمانوں کی سیاسی کمزوری کے باعث سامراجی قوتوں نے مسلم ممالک پر قبضہ کر لیا اور اپنے مخصوص مفاد حاصل کرنے کے لیے علوم کی اس تقسیم کو اور زیادہ گہرا کیا اور لبرل ایجوکیشن کے نام سے ایسا نظام تعلیم رائج کیا جس کا دین سے کوئی رشتہ نہیں تھا ۔ تمام علوم کی صحت و سقم کی کسوٹی وحی و الہام کی بجائے عقل و دلیل کو ٹھہرایا اور فلسفہ علم کا اعلیٰ رکن اور نوع قرار پایا ۔ ملازمتیں اور اعلیٰ عہدے سب ان لوگوں کے لیے وقف ہوگئے اور دینی علوم کی تحصیل کا سب سے شیریں پھل کسی مسجد کی امامت یا خطابت رہ گیا ۔

یورپ کے سیاسی غلبے کی بنا پر اُن کا یہ لبرل نظام تعلیم رفتہ رفتہ تمام محکوم اسلامی ممالک کا مقدر بن گیا اور وہاں کے اعلیٰ تعلیمی اداروں اور یونیورسٹیوں نے اس کو اختیار کرنے میں عافیت خیال کی اور اس حد تک اس کے شیدائی ہو گئے کہ اپنا نظام اپنانے سے گریز کرنے لگے ۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان ممالک میں دو قسم کے نظام تعلیم رائج ہو گئے ۔ یونیورسٹیوں کا نظام تعلیم اور دینی مدارس کا نظام تعلیم ۔ اول الذکر گروپ سے تعلق رکھنے والے افراد مغربی علوم کے شیدائی ہیں لیکن اپنے روشن ماضی کے بارے میں کچھ نہیں جانتے اور مؤخرالذکر گروپ سے متعلق افراد جدید سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی سے بے بہرہ ہیں ۔

دور حاضر میں اسلام کی نشأة ثانیہ اور مسلم ممالک کے آزاد ہو جانے کے بعد بڑی شدت سے اس بات کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ اسلام کے نظام تعلیم کو دوبارہ رائج کیا جائے اور عقلی و نقلی علوم کی تدریس و تعلیم کے لیے پہلے کی طرح ایک جامع (Integrated) نظام تدریس رائج کیا جائے ۔

اسلامی ممالک میں اسلام کا جامع نظام تعلیم دوبارہ رائج کرنے کے لیے مختلف اوقات میں کئی کوششیں کی گئیں ۔ چنانچہ ۱۹۷۷ء میں مکہ معظمہ میں مسلمانوں کی تعلیم پر پہلی عالمی کانفرنس منعقد ہوئی ۔ تعلیم سے متعلق مختلف امور کا جائزہ لینے کے لیے کانفرنس میں ۱۴ کمیٹیاں تشکیل دی گئیں جن کی سفارشات کو کانفرنس نے قبول کیا ۔ انھیں مختصراً یوں بیان کیا جا سکتا ہے :

۱۔ تعلیم کا مقصد اسلامی اصول و ضوابط کے مطابق انسان کی شخصیت کی تعمیر ہے ۔ تعلیم اسی وقت کامل ہوتی ہے جب انسان مکمل طور پر اللہ کے احکام کے سامنے سرنگوں ہو جائے ۔

۲۔ تعلیم کے مختلف مدارج و مراحل پر شرعی اور عقلی علوم کی تدریس لازمی ہونی چاہئیے ۔ شرعی علوم میں قرآن ، حدیث، عربی، فقہ اور اسلامی کلچر کو شامل کیا جائے ۔ اسلامک کلچر کے مضمون میں دور حاضر کے سائنسی ، نظریاتی ، مذہبی اور معاشی مسائل کا حل تلاش کیا جائے اور معاشی ، اقتصادی اور سیاسی میدانوں میں مسلمانوں کی خدمات کو بیان کیا جائے ۔ عقلی علوم میں تمام نیچرل اور اپلائڈ سائنسز کو شامل کیا جائے ۔ ان علوم میں مسلمانوں نے جو کارہائے نمایاں انجام دیے ہیں ان کا بھی ذکر ہو۔ سائنسی علوم میں مسلمانوں کے عروج و زوال پر بھی بحث کی جائے اور اُن وجوہات کی نشاندہی کی جائے جو اس کا باعث بنیں ۔ نصابات میں شرعی علوم کے بارے میں ضروری معلومات فراہم کی جائیں اور فنون لطیفہ (Fine Arts) ، پیشہ ورانہ علوم اور سوشل سائنسز کا نصاب اسلامی اور اسلامی علمی میراث کو ملحوظ رکھتے ہوئے تیار کیا جائے ۔ نیچرل اور اپلائڈ سائنسز کے نصابات کی تشکیل نو کی جائے۔ اُن کے اور دین کے مابین رابطہ استوار کیا جائے ۔ مذہبی نقطہ نظر کو اجاگر کیا جائے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کے تصور کو بیان کیا جائے ۔

۳۔ مخلوط تعلیم اور عورتوں اور مردوں کے مخلوط نصاب کو ختم کیا جائے ۔ عورتوں کے لیے نصابات اُن کی مخصوص ضروریات اور اسلامی تعلیمات کے مطابق تشکیل دیے جائیں ۔

۴۔ ماس میڈیا ایسے پروگرام پیش کرے جن میں دین اور سائنس کی ہم آہنگی کا بیان ہو اور جو سائنس کے ذریعے مذہبی شعور کو مضبوط کرنے میں معاون ثابت ہوں ۔

۵- اساتذہ کی ٹریننگ کے نصابات میں اسلامی نظریہ حیات اور Ideology کو شامل کیا جائے تاکہ اُن میں دین ، اسلامی تصورات اور اقدار کا شعور پیدا ہو۔

۶- نوجوانوں کی تربیت اسلامی بنیادوں پر کرنے کے انتظامات کیے جائیں تاکہ اُن میں اسلامی کردار اور اسلامی انداز فکر و عمل پیدا ہو سکے۔ جملہ تعلیمی اداروں میں مساجد تعمیر کی جائیں اور وقت پر باجماعت نماز کا انتظام کیا جائے۔

۷- تعلیمات ، کلچر اور سائنس کا ایک عالمی ادارہ قائم کیا جائے جو مختلف یونیورسٹیوں اور سائنسی اداروں کے مابین رابطے کا کام دے۔ اس طرح اسلامی تعلیمات کا ایک عالمی مرکز بھی قائم کیا جائے جو ان سفارشات کو عملی جامہ پہنانے کا انتظام کرے۔

ان سفارشات کے ذریعے اسلام کے جامع نظام تعلیم (Integrated System) کو نافذ کرنے کی کوشش کی گئی۔

اس پہلی عالمی تعلیمی کانفرنس کے بعد مسلمانوں کی تعلیم کے موضوع پر ایک دوسری عالمی کانفرنس ۲۰ مارچ ۱۹۸۰ء کو اسلام آباد میں ملک عبدالعزیز یونیورسٹی اور قائداعظم یونیورسٹی کے اشتراک و تعاون سے منعقد ہوئی۔ اس کانفرنس نے اسلامک ایجوکیشن کے بارے میں درج ذیل سفارشات پیش کیں :

۱- کانفرنس نے پہلی اسلامک ایجوکیشن کانفرنس کی اس قرارداد کو کہ اسلامی تعلیمات کا ایک عالمی مرکز قائم کیا جائے جو کانفرنس کی منظور کردہ سفارشات کو عملی جامہ پہنانے کا انتظام کرے ، سے مکمل اتفاق کیا اور یہ فیصلہ ہوا کہ اسلامی ممالک کو اس پر آمادہ کیا جائے گا۔

۲- اسلامی ممالک میں پوسٹ ڈاکٹورل سٹڈیز کے مراکز قائم کیے جائیں جو اپنے پروگرام مرتب کرنے اور اُن پر عمل پیرا ہونے میں آزاد ہوں۔ ان اداروں کا مقصود ایسے (Ph. D.) علماء کی کھیپ تیار کرنا ہو جو اسلامی اور جدید تعلیمی نظریات پر پورا پورا عبور رکھتے ہوں اور اسلامی فکر کی تشکیل نو میں ممد و معاون ثابت ہو سکیں۔

۳۔ جب تعلیم کی دو عملی ختم کر دی جائے اور جدید نصابات کی تدریس شروع ہو جائے تو اس بات کی پوری کوشش کی جائے کہ وہ اخلاقی اور روحانی اقدار جو اب تک دینی مدارس کے نظام تعلیم کا طغرائے امتیاز تھیں برقرار رہیں اور وہ صورت حالات پیدا نہ ہونے پائے جو جدید نظام تعلیم کے باعث یونیورسٹیوں ، کالجوں اور سکولوں میں پیدا ہوئی ہے ۔

۴۔ تعلیمی اداروں میں مدرسین اور معلمین کی حیثیت سے صرف اُن افراد کی تقرری کی جائے جو اسلامی ذہن اور اسلامی پس منظر رکھتے ہوں ۔ ہر تعلیمی ادارے میں طلبہ کی راہنمائی کے لیے ایک شعبہ قائم کیا جائے جس میں ایماندار اور باصلاحیت افراد کا تقرر کیا جائے جو دینی احکام کی روشنی میں طلبہ کو ذاتی ، علمی اور نفسیاتی مسائل کے بارے میں مشورے دیں ۔

۵۔ لادینیت کو مسلمانوں کے قلوب و اذہان سے کلی طور پر نکالنے کے لیے مناسب اقدامات کیے جائیں اور اس مقصد تک پہنچنے کا واحد راستہ تعلیم و تربیت کو اسلام کے رنگ میں رنگنا ہے ۔

۶۔ تعلیم و تربیت کا تعلق چونکہ صرف تعلیمی اداروں تک محدود نہیں اس لیے اسلامی تعلیم کے پروگرام کو کامیاب بنانے کے لیے ساری مسلم سوسائٹی کو اس پروگرام میں شامل کیا جائے تاکہ گھروں اور مختلف اداروں میں بھی اس پر عمل ہو سکے ۔

۷۔ ترکی میں موجود مختلف علوم پر کتابوں کے قلمی نسخوں کی جانب مسلمان علماء کی توجہ مبذول کرائی جائے ۔ ان کتابوں کو (Classify) کیا جائے اور ان کی فہرستیں تیار کرنے کے لیے مالی امداد فراہم کی جائے ۔

۸۔ اسلامی یونیورسٹیوں کی ایک تنظیم قائم کی جائے تاکہ مسلمانوں کی تعلیم سے متعلق مسائل زیر بحث لائے جا سکیں اور ان کے حل کے لیے مشترک حکمت عملی وضع کی جا سکے اور مختلف اسلامی ممالک کے مابین اساتذہ اور طلبہ کا تبادلہ بھی ہو سکے ۔

یہ تجاویز مسلمان فضلاء اور (ماہرین تعلیم) کے اعلیٰ تجربات کا نچوڑ ہیں اور ان کو عملی صورت دینے کے لیے فوری لائحۂ عمل مرتب کرنے کی ضرورت ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ ہمارے وطن کے مخصوص حالات کے پیش نظر مندرجہ تجاویز پر بھی غور کرنے کی سفارش کی جاتی ہے :

تعلیم کے حوالے سے جب اسلامائزیشن کا ذکر کیا جاتا ہے تو اس سے مراد یہ نہیں کہ موجودہ نظام تعلیم میں مغربی علوم اپنی اصلی حالت میں مخصوص مادی روح کے ساتھ جوں کے توں موجود رہیں اور اس میں دینیات کی دو کتابیں یا اسلام کا نقطہ نظر شامل کر لیا جائے کیونکہ اس قسم کے اجتماع ضدین سے سوائے پریشان فکری کے اور کچھ حاصل نہیں ہوگا۔ ممکن ہے اس بات کو بعض حضرات معروضیت کے منافی خیال کریں مگر فلسفۂ تعلیم کی بنیادی حقیقت یہ ہے کہ جب نظام تعلیم بے عقیدہ ہو جاتا ہے تو وہ کسی خاص کلچر کا نمائندہ نہیں بن سکتا۔ چنانچہ علامہ اقبال علیہ الرحمۃ نے بھی اپنے ایک خط میں جو انہوں نے خواجہ غلام السیدین کو لکھا تھا اس حقیقت کی نشاندہی کی ہے، وہ لکھتے ہیں:

''علم سے میری مراد وہ علم ہے جس کا دارومدار حواس پر ہو۔ عام طور پر میں نے علم کا لفظ انہی معنوں میں استعمال کیا ہے۔ اس علم سے وہ طبعی قوت ہاتھ آتی ہے جس کو دین کے ماتحت رہنا چاہیے۔ اگر یہ دین کے ماتحت نہ رہے تو محض شیطنت ہے۔ مسلمان کے لیے لازم ہے کہ علم کو مسلمان کرے''۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ اس وقت ایم۔ اے کی سطح تک اسلامیات کی لازمی تعلیم کا التزام ہے لیکن اس کے نصاب تعلیم میں خامیوں کے باعث مثبت نتائج برآمد نہیں ہو سکے، بلکہ طلبہ ایک عجیب تضاد کا شکار ہو گئے ہیں۔ اسلامائزیشن کا حقیقی مفہوم یہ ہے کہ ایسے سائنس دان، ریاضی دان، معیشت دان، سیاست دان، انجینئر، ڈاکٹر اور فلسفی پیدا کیے جائیں جو جدید علوم و فنون میں مغربی ماہرین سے کہیں زیادہ استعداد و قابلیت رکھتے ہوں مگر اس کے ساتھ ساتھ وہ فکر و نظر، جذبہ و احساس اور قوت عمل کے غزالی، فارابی، ابن سینا اور ابن خلدون ہوں اور جن کی تخلیقی قوتیں اسلام اور ملک و ملت کے لیے صرف ہوں۔

موجودہ دور میں ذرائع ابلاغ کسی قوم کی تربیت کے لیے نہایت مؤثر اور اہم ذریعہ ہیں اس لیے راقم کی سب سے پہلی تجویز یہ ہے کہ یہ نونہالان ملت کو اسلامی تعلیم و تربیت کا چلتا پھرتا نمونہ بنانے کے لیے عملی اقدام کریں اور اپنی پالیسی کو اسلامائزیشن کے پروگرام سے ہم آہنگ بنائیں۔

اس سلسلے میں دوسری تجویز یہ ہے کہ اسلامائزیشن کا یہ عمل محض تعلیم تک محدود نہ رکھا جائے بلکہ یہ پورے معاشرے میں جاری و ساری ہو۔اس سلسلے میں ابتدا انتظامیہ کی اصلاح سے کرنی چاہیے کہ یہ لوگ اپنے ماتحتوں کے لیے نمونہ ہوتے ہیں۔ منفلوطی نے نہایت ہی فصیح و لطیف الفاظ میں اس حقیقت کو یوں بیان کیا ہے:

الرئیس العظیم قدوة مرؤوسیه فی الخیر ان سلک طریق الخیر والشر ان سلک طریق الشر -

لہٰذا اعلیٰ تعلیمی و انتظامی عہدوں پر صرف ایسے افراد کا تقرر کیا جائے جو نہ صرف اعلیٰ اسلامی اخلاق و آداب کے حامل ہوں بلکہ اسلامی تعلیمات پر بھی گہری نظر رکھتے ہوں تاکہ وہ اپنے ماتحتوں میں ملی شعور ، قومی شعور اور فنی شعور کو بیدار کر سکیں - یہاں اس بات کا بھی اضافہ کرنا ضروری ہے کہ مختلف عہدوں پر ترقی کے لیے جہاں اس شخص کی مطلوبہ شعبہ میں قابلیت کو پیش نظر رکھا جائے وہاں اسلامی تعلیمات اور عبادات سے اس شخص کی وابستگی کو بھی بنیاد بنایا جائے بلکہ اسے ضروری شرط قرار دیا جائے اور اس کی محکمانہ خفیہ رپورٹ میں بطور خاص اس کا اندراج کیا جائے -

اس سلسلے میں ایک انتہائی اہم اقدام یہ بھی ہے کہ بنیادی طور پر صرف ایک نظام تعلیم رائج کیا جائے اور دینی مدارس کے نظام تعلیم کو سکولوں ، کالجوں اور جامعات کے نظام تعلیم سے ہم آہنگ کر دیا جائے - حقیقت یہ ہے کہ اگر ہم مروجہ نظام تعلیم کو اسلامی قالب میں ڈھالنے میں حقیقی معنوں میں کامیاب ہو جائیں تو شاید دینی مدارس کی ضرورت پوری ہو جائے -

اسلامائزیشن کے سلسلے میں اس بات کی بھی شدید ضرورت ہے کہ ہر مرحلے پر قومی زبان اردو کو ذریعۂ امتحان بنایا جائے تاکہ طلبہ میں قومی تشخص مضبوط بنیادوں پر استوار ہو سکے اور وہ مغربی تہذیب و تمدن کی بجائے اسلامی تہذیب و تمدن سے محبت کرنے لگیں -

نصاب اور درسی کتب وہ ذریعہ ہیں جس سے طلبہ کی ذہنی اور فکری تربیت ہوتی ہے اس لیے اس بات کی شدید ضرورت ہے کہ ان کو مرتب کرنے کے لیے دینی علماء اور متعلقہ شعبہ کے فاضل اساتذہ کا ایک بورڈ تشکیل دیا جائے تاکہ ان کے مطالعے سے ایک مسلمان ذہن تشکیل پائے اور یہ بورڈ علم کی ہر شاخ کے لیے الگ الگ ہو - موجودہ نصابی کتب کسی حد تک اس معیار پر پوری اترتی ہیں لیکن ان میں مزید اصلاح کی ضرورت ہے اس لیے فوری طور پر نصاب کی جدید خطوط پر تدوین کی جائے -

طلبہ کی تعلیم و تربیت میں استاد کی ذمہ داری مسلم ہے - استاد کا منصب ہی یہ ہے کہ وہ اپنے شاگردوں کو تعلیم دے اور ان کی تربیت بھی کرے - قرآن مجید

نے بھی ''یز کیھم'' کہہ کر استاد کے اس منصب کی طرف اشارہ کیا ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ استاد اپنی ذات میں ایک ادارہ اور ایک نظام ہو لیکن صورت حال یہ ہے کہ آج استاد ایک ملازم اور اجرت پر پڑھانے والا ایک اہل کار بن کر رہ گیا۔ ہے اس کا نتیجہ یہ ہے کہ طلبہ کے دل میں استاد کا احترام بری طرح متأثر ہوا ہے اور بقول علامہ اقبال اب :

بدلا زمانہ ایسا کہ لڑکا پس از سبق
کہتا ہے ماسٹر سے کہ بل پیش کیجیے

اس وقت استاد کے دو فرض ہیں : ایک یہ کہ اپنے منصب کی عزت و احترام کو برقرار رکھنے کی پوری کوشش کرے اور دوسرے اپنے ملک کے نظام تعلیم اور نصاب تدریس پر تنقید کرتا رہے تاکہ اسے قومی اور ملی تقاضوں کے مطابق ڈھالا جا سکے۔ اس سلسلے میں پبلک سروس کمشن پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اساتذہ کی تقرری کے وقت ان کی تعلیمی قابلیت کے ساتھ ساتھ اسلامی اقدار کے ساتھ اس کے لگاؤ اور اس کی سیرت و اخلاق کو بھی پیش نظر رکھے۔ انٹرویو میں اس کے الگ نمبر مقرر کئے جائیں اور جو شخص یہ اہلیت نہ رکھتا ہو وہ اپنے فن میں کتنا ہی قابل کیوں نہ ہو ، طلبہ کی باگ ڈور اس کے سپرد نہ کی جائے چنانچہ یہ ایک حقیقت ہے کہ مشرقی پاکستان کے المیہ میں جہاں اور کئی عوامل کارفرما تھے وہاں ایک سبب یہ بھی تھا کہ غیر مسلم اساتذہ نے طلبہ کے ذہنوں میں نفرت کا بیج بو دیا تھا ۔ کوئی اسلامی معاشرہ یہ گوارا نہیں کر سکتا کہ اس کے بچے اور نوجوان ایسے افراد سے علم حاصل کریں جو اسلام کی حقانیت پر یقین نہ رکھتے ہوں اور اسے مکمل ضابطۂ حیات تسلیم نہ کرتے ہوں ۔

اسلامائزیشن میں مخلوط تعلیم کا کوئی جواز نظر نہیں آتا ۔ سرکاری پالیسی کے تحت اسے ترک کر دینا چاہئے اور جس قدر جلد ممکن ہو طالبات کے لیے خواتین یونیورسٹیاں قائم کی جائیں ۔ جہاں تک نصاب تعلیم کا تعلق ہے یہ بھی طلبہ اور طالبات کے لیے الگ الگ ہونا چاہیے ۔ طالبات کے لیے ایسا نظام تعلیم مقرر کیا جائے جو اُن کے فرائض اور ان کی حدود سے ہم آہنگ ہو ۔ اس کے بغیر تعلیم و تربیت کا وہ عمل جاری نہیں رہ سکتا جو اسلام کو مطلوب ہے ۔

اسلامی نقطۂ نظر سے یہ بھی ضروری ہے کہ سب شہریوں کے لیے تعلیم کے یکساں مواقع فراہم ہوں کیونکہ اسلام وہ واحد مذہب ہے جس نے تمام انسانوں کی تعلیم کو ایک بنیادی ضرورت قرار دیا ہے : ''طلب العلم فریضة علی کل مسلم'' اور

اس طریقہ سے اس فرض کی انجام دہی کو معاشرے کی ایک ذمہ داری بنا دیا۔ لٰہذا لازمی ابتدائی تعلیم کو فوری طور پر رائجُ کیا جائے۔

تعلیم کی اسلامی تشکیل میں تعلیمی اداروں کی فضا کو بھی اہم مقام حاصل ہے ۔ اس سلسلے میں ہماری بنیادی غلطی یہ ہے کہ بدقسمتی سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ زندگی کے محض خارجی ڈھانچوں جسے ہم عرف عام میں قانون اور ضابطے کا نام دیتے ہیں ، میں تبدیلی سے طلبہ کو مطمئن کیا جا سکتا ہے حالانکہ اصل خرابی یہ ہے کہ تعلیم کا اصل مقصد یعنی تہذیب نفس طلبہ کی آنکھوں سے اوجھل ہو گیا ہے اور وہ ذہنی انتشار کا شکار ہو چکے ہیں اس کا نتیجہ یہ ہے کہ وہ ہنگامہ آرائی پر اتر آتے ہیں اور تعلیم کی فضا اس سے بری طرح متأثر ہوتی ہے ، علامہ اقبالؒ کے الفاظ میں طلبہ میں اس انتشار کو ختم کرنے کا ایک ہی طریقہ ہے کہ ان میں اپنی پہچان پیدا کی جائے۔

اللہ رکھے تیرے جوانوں کو سلامت
دے ان کو سبق خود شکنی خود نگری کا

١